15

وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ایک بہت بڑا سبق ہمیں دیا ہے نیز وہ مقصود بیان کیا ہے جو مومنوں کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیے

(فرمودہ 14 جولائی 1950ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ 1

اِس کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اِس مختصر سی آیت میں جس طرح توحید کا ایک بہت بڑا سبق مسلمانوں کو دیا ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کی روحانی حالت کا بھی اس میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اور پھر مسلمانوں کے سامنے وہ مقصود بھی رکھا گیا ہے جو مومن جماعتوں کے سامنے ہونا چاہیے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ شرک اِس چیز کا نام ہے کہ بتوں کے سامنے سر جھکایا جائے۔ شرک اِس چیز کا نام ہے کہ بتوں پر نذرانے چڑھائے جائیں۔ یا شرک اِس چیز کا نام ہے کہ بتوں کے سامنے سجدے کئے جائیں۔ یا بتوں کے علاوہ کچھ اَور چیزیں ہوتی ہیں جو قانونِ قدرت کی مظہر ہوتی ہیں۔ یا انسانوں میں سے بعض ایسے انسان ہوتے ہیں جو اپنے اپنے وقت میں صفاتِ الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ ان کی عزت اِس رنگ میں کی جائے کہ اُس میں عبادت کا ایک حصہ بھی داخل ہو جائے خواہ وہ عزت عملاً عبادت کا رنگ نہ رکھتی ہو۔ لیکن شرک اِس سے بہت زیادہ باریک ہے۔ اور توحید اس سے بہت زیادہ باریک

اور پیچیدہ ہے کہ انسان ایک خدا کی عبادت بجالائے۔ درحقیقت اِس قسم کا شرک بہت ہی جہالت کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے۔ جب تعلیم پھیلتی ہے تو شرکِ خفی باقی رہتا ہے اور شرکِ جلی باقی نہیں رہتا۔ دنیا میں جب بھی روشنی پیدا ہوئی تو اُس روشنی نے خود ہی مشرکانہ عقائد کو موحّدانہ رنگ دے دیا۔

عیسائیوں کو دیکھ لو اِس زمانہ میں بھی عیسائی مسلمان نہیں ہوئے۔ اِس زمانہ میں عیسائیوں کی طرف سے اسلام کی مخالفت کم نہیں ہوئی بلکہ اَور زیادہ ہوئی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر آجکل کے عیسائی کو پرانے زمانہ کے عیسائی کے سامنے رکھا جائے تو یقیناً وہ اس سے زیادہ موحّد نظر آئے گا۔ پرانے زمانہ میں چھوٹے بڑے عالم، جاہل، حاکم، محکوم، عورت، مرد سب گرجوں میں جاکر حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم کی تصویروں کے سامنے سجدے کرتے تھے اور اُن سے دعائیں مانگتے تھے۔ بلکہ ان کو جانے دو وہ پادریوں کے سامنے بھی سجدے کرتے تھے۔ ان لوگوں میں سے بعض بادشاہوں اور بعض پروفیسروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر وہ ذرا بھی محسوس نہیں کرتے تھے کہ یہ چیز ان کے وقار کے منافی ہے۔ لیکن اِس وقت تو زیادہ پڑھے ہوئے کی ضرورت نہیں ایک معمولی مزدور بھی ان کی پروا نہیں کرتا۔ زیادہ تر عیسائی دنیا کی زندگی ایک عام مسلمان کی عملی زندگی جیسی ہے۔ ایک بے نماز مسلمان اور ایک عیسائی میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ وہ مسلمان بھی عبادت نہیں کرتا اور عیسائی بھی عبادت نہیں کرتا۔ وہ جب بھی بات کرے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ خدا کو ماننے والا ہے۔ ہاں عقیدہ میں آکر وہ ایسی بات کہہ دے گا جس سے شرک ثابت ہوتا ہوگا، لیکن عام طور پر یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ وہ موحّد ہے یا مشرک۔ اب یہ چیز اسلام نے دور نہیں کی۔ عیسائی اسلام کو سچا مذہب نہیں مانتے۔ یہ چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دور نہیں کی۔ وہ آج بھی آپؐ کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ چیز قرآن کریم نے بھی دور نہیں کی۔ وہ آج بھی قرآن کریم کو مٹانے کے درپے ہیں۔ پھر یہ خرابی کس چیز نے دور کی ہے؟ یہ خرابی علوم کی روشنی نے دور کی ہے۔ جب لوگوں میں تعلیم آگئی اور انہوں نے قانونِ قدرت کا مطالعہ کیا تو انہیں معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کی صفات کا ظہور انسانوں میں کیا اُس کی دوسری مخلوقات اور مختلف قسم کے جواہر میں بھی پایا جاتا ہے۔ پھر اگر انسان اس کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں تو انہیں خدا کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ اس طرح شرک کا عقیدہ بدلتا گیا اور توحید کی شکل آگئی۔ اور گو رسمی طور پر تو وہی عقیدہ رہا جو پہلے عیسائیوں کا تھا یعنی خدا، بیٹا اور روح القدس۔ لیکن تفصیل پوچھو تو ہر عیسائی موحّد نظر آئے گا۔ مسلمانوں میں بھی

ایسے لوگ ملیں گے جن سے پوچھیں کہ تمہارا عقیدہ کیا ہے؟ تو وہ کہہ دیں گے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ۔ لیکن وہ قبروں پر سجدے بھی کرتے ہیں حالانکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور قبروں پر سجدے کرنا دونوں متضاد چیزیں ہیں اور یہ دونوں آپس میں مل نہیں سکتیں۔ اِسی طرح جب کسی عیسائی سے اس کے عقیدہ کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ کہہ دے گا مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ لیکن جب تفصیل پوچھو تو وہ ایک خدا کی کیفیت بیان کرے گا۔ بظاہر یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں لیکن سب قوموں میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ مشرک مسلمانوں میں عقیدہ توحید کا ہے اور اس کی تفصیل شرک ہے اور عیسائیوں میں عقیدہ شرک کا ہے اور اس کی تفصیل توحید ہے۔ ایک عام مسلمان اور عیسائی میں عام عقیدہ کے لحاظ سے اور خدا تعالیٰ کی ذات کے علم میں کوئی فرق نہیں لیکن اعمال میں بڑا بھاری فرق ہو جائے گا۔ اعمال کے لحاظ سے ایک سچے اور مخلص مسلمان میں اور ایک عیسائی میں بڑا نمایاں فرق نظر آئے گا۔ عیسائی باوجود اِس کے کہ اُس کا عقیدہ توحید کا نہیں وہ نیچری مسلمان کی طرح خدا تعالیٰ کو تخت پر بٹھا دے گا اور کہے گا کہ اگر میں سجدہ کروں گا تو اُسے ہی کروں گا لیکن جب عمل کا وقت آئے گا تو کہہ دے گا کہ ضروری نہیں میں اپنے آپ کو اعمال میں بھی مقیّد کر لوں۔ میں سوچوں گا اور سمجھوں گا اور سوچنے اور سمجھنے کے بعد جو چیز مجھے اچھی لگے گی وہی کروں گا۔ یہی ایک عام مسلمان کی حالت ہے۔ وہ بھی عام حالات میں یہی کچھ کرتا ہے۔ وہ نماز نہیں پڑھے گا لیکن پڑھے گا تو قبلہ رخ ہو کر۔ اور جب عملی زندگی کا سوال آئے گا تو نماز اور عقیدہ ایک طرف رہ جائیں گے وہ کہہ دے گا کہ میں پاگل نہیں ہوں کہ میں اپنے ضمیر کو کچل دوں۔ میں سوچوں اور سمجھوں گا اور سوچنے اور سمجھنے کے بعد جو چیز مجھے اچھی لگے گی وہی کروں گا۔ میں اس چیز کے لئے تیار نہیں ہوں کہ اپنی نکیل دوسرے کے ہاتھ میں دے دوں۔ لیکن اعلیٰ اور خالص درجہ کا متقی ایسا نہیں کرتا۔ چونکہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے اس لئے اُس کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے نفس کو وہم میں مبتلا کرے۔ وہم میں اپنے نفس کو وہ شخص مبتلا کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کو دیکھتا نہیں۔ ایک شخص جو رات کے اندھیرے میں باہر جاتا ہے اور اُس کے پاس روشنی نہیں ہوتی وہ اس وہم میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ کہیں رستہ میں کوئی چور یا ڈاکو نہ ہو۔ لیکن جب بجلی چمکتی ہے اور اس کی آنکھیں چور یا ڈاکو کو دیکھ لیتی ہیں تو پھر اُسے وہم ہونے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ یعنی ایک صورت میں ہم اسے وہم میں مبتلا سمجھیں گے اور دوسری صورت میں بزدل اور کم ہمت تصور کریں گے۔ اِس طرح جس شخص نے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیا اُس کے متعلق یہ سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا کہ وہ وہم کرے۔ اُس نے اپنی باگ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھتا ہے، وہ اُس کے کاموں میں دخل دیتا ہے، وہ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ جب کوئی شخص اِس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ شرک نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس نے دیکھ لیا کہ اُس کے نفس سے بڑا راہنما موجود ہے اور وہ اُسی کو خدا کہتا ہے۔ جو وہ کرے گا وہ ٹھیک ہے۔ اگر وہ کہہ دے گا یہ کام کرو تو میں کروں گا اور اگر وہ کہے گا ٹھہر جا تو میں ٹھہر جاؤں گا۔

مَیں نے یہاں نفس کی مثال دی ہے لیکن اس سے بھی بڑی اور قوی چیزیں اَور بھی موجود ہیں۔ مثلاً رسم و رواج ہیں، عادات و اطوار ہیں۔ وہاں اپنا نفس بھی بھول جاتا ہے۔ ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ ''کھایئے من بھاتا اور پہنئے جگ بھاتا''۔ یعنی کھاؤ وہ جو تمہاری زبان کو مزیدار لگے اور پہنو وہ جو لوگوں کو پسند ہو۔ مگر یہ بات کہنے والے پرانے زمانہ کے لوگ تھے۔ یہ اُس زمانہ کے لوگ تھے جب رسم و رواج نے ترقی نہیں کی تھی۔ اب تو لوگ نہ کھاتے اپنی مرضی کا ہیں اور نہ پہنتے اپنی مرضی کا ہیں۔ اب وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو دوسرے کرتے ہیں۔ وہ کھانا بھی وہی کھائیں گے جو دوسرے کھاتے ہیں خواہ ان کی زبان کو اچھا لگے یا نہ۔ اور لباس کے متعلق تو لازمی بات ہے کہ وہ وہی پہنیں گے جو دوسرے پہنتے ہیں۔ پھر اس کے آگے اَور باتیں آ جائیں گی۔ جو کام بھی وہ دیکھیں گے کہ غالب شخص یا غالب قوم کر رہی ہے وہ کرنے لگ جائیں گے۔ اِس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ تم اکثریت کے فیصلہ کو دیکھنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ آیا اکثریت ہمیشہ حق پر ہوتی ہے یا وہ نمایاں غلطیاں بھی کرتی ہے؟ ایک ایسا انسان جس کو خدا تعالیٰ کی راہنمائی حاصل نہیں وہ کہہ دے گا کہ میرا وہی مذہب ہے جو اکثریت کا ہے۔ لیکن ایک مسلمان جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اُس کے سامنے اگر یہ سوال رکھا جائے کہ اکثریت ہمیشہ حق پر ہوتی ہے تو وہ لازماً یہ کہہ دے گا کہ یہ غلط ہے۔ مثلاً ہم کہیں گے کہ عقیدتاً قرآن کہتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پھر وہ اسے لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ[2] قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ اکثریت جس کو تم زبردست اور طاقتور سمجھتے ہو، یہ اکثریت جس کو تم عقلمند اور ترقی یافتہ خیال کرتے ہو وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتی کہ خدا تعالیٰ ایک ہے۔ اُس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی ہمسر۔ بلکہ وہ خدا بیٹا اور روح القدس تین خداؤں پر ایمان رکھتی ہے۔ کیا اکثریت کا یہ عقیدہ درست ہے؟ اِس پر لازماً ایک سچا مسلمان یہ کہے

گا کہ اکثریت غلطی پر ہے۔
اِسی طرح شفاعت کا مسئلہ ہے۔ اگر ایک مسلمان کو یہ بتا دیا جائے کہ اکثریت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے اور مرتا ہے تو وہ کہہ دے گا اکثریت کا یہ عقیدہ غلط ہے۔ پھر انبیاء کی طرف چلے جاؤ۔ ہم پوچھیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تھے؟ تو وہ کہے گا آپ راست باز تھے اور تمام انبیاء کے سردار تھے۔ اِس پر ہم کہیں گے کہ اکثریت تو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** جھوٹے تھے۔ کیا یہ عقیدہ ٹھیک ہے؟ وہ لازماً یہی کہے گا کہ نہیں۔ اِس طرح ہم ایک ایک کر کے وہ تمام امور جن پر اِس جہان اور دوسرے جہان کا انحصار ہے لیتے جائیں گے اور اُسے کہیں گے کہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے اور خدا تعالیٰ یہ کہتا ہے تو وہ لازماً اکثریت کے عقیدہ کو غلط کہے گا۔ یا یہی بات لے لو کہ خدا تعالیٰ کا ہماری موجودہ زندگی میں دخل ہے۔ ایک عیسائی کہے گا نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا ہماری اِس زندگی میں دخل ہے۔ پھر اگلے جہان کے متعلق عقائد میں ایک عیسائی اور ایک سچے اور مخلص مسلمان کے درمیان بیّن فرق نظر آئے گا۔ عیسائیت میں صرف جہنم کا احساس پایا جاتا ہے جنت کا احساس عیسائیت میں ہے ہی نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جو تو ان میں سے نیک لوگ اِس دنیا میں باقی رہیں گے اُن کے لئے اِسی دنیا کو جنت بنا دیا جائے گا۔ لیکن یہ کہ جنت ایک علیحدہ مقام ہے اور دائمی ہے یہ عقیدہ عیسائیت میں نہیں۔ عیسائیوں میں صرف دائمی دوزخ کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اِسی طرح انسان کی نیکی، تقویٰ کے متعلق اُن کی رائے درست نہیں۔ پس اگر کوئی ایک بات ہوتی تو ہم کہہ دیتے کہ شاید اِس بارہ میں اُن سے غلطی سرزد ہوگئی ہے لیکن یہاں تو ہر بات میں غلطی سرزد ہوئی ہے۔ ہر اہم امر میں انہیں غلطی لگی ہے۔ ان کی عقل پر اعتماد کیسے کیا جائے۔ اگر ہم نے اکثریت کی رائے پر ہی چلنا ہے تو لازماً ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** روح القدس بھی خدا ہے۔ اگر ہم نے اکثریت کی رائے پر ہی چلنا ہے تو لازماً ہمیں ماننا پڑے گا کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نہیں تھے کیونکہ اکثریت آپ کو ایسا ہی کہتی ہے۔ غرض یہ عجیب قسم کا مومن کہلانے والا ہوتا ہے کہ کچھ باتوں میں وہ بلا دلیل کہہ دیتا ہے کہ اکثریت غلطی پر ہے اور بعض باتوں میں بِلا سوچے سمجھے اکثریت کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تم اکثریت

کی بات مان لو گے تو اللہ تعالیٰ کے رستہ کے متعلق جتنی باتیں ہیں اکثریت اُن کے خلاف جارہی ہے۔ اگر اکثریت خدا تعالیٰ کے رستہ سے متعلق سب باتوں کے خلاف جارہی ہے تو ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ باقی باتوں میں بھی وہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق ہے یا مخالف۔ انسانی عقائد کا اعمال پر بھی اثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو اس کے کھانے پینے، جاگنے سونے اور پہننے میں بھی خدا تعالیٰ کے احکام کا دخل ہوگا۔ اگر کوئی کلام الٰہی سے تعلق رکھتا ہے تو اُسے اپنے کھانے پینے، جاگنے سونے اور پہننے میں کچھ قیود لگانی پڑیں گی۔ اگر کوئی اگلے جہان پر ایمان لاتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ ایسے اعمال بجالائے جن کا اگلے جہان پر اثر ہو۔ بہرحال انسانی عقائد اعمال پر اثر ڈالتے ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ لوگ غلطی پر ہیں اور دوسری طرف ہم ان سے ڈرتے بھی ہیں۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا ترقی کرتا ہے کہ اکثریت در اکثریت سامنے آنے لگتی ہے۔ اگر عیسائیت کی نقل کرنا اِس لئے ضروری ہے کہ دنیا کا اکثر حصہ عیسائی ہے اور اُس کو خوش کرنا ضروری ہے تو پھر ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اُن کی بھی نقل کرو کیونکہ وہ مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ پھر احمدیوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی بھی نقل کریں کیونکہ وہ اِن سے زیادہ ہیں۔ گویا ہر وقت دوسرے کو خوش کرنے کا سوال رہ جائے گا۔ حالانکہ مومن اتنا نڈر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔ آخر سیدھی بات ہے کہ جو کام ہم کریں گے اس میں یا نقص ہوگا یا وہ نقص سے مبرّا ہوگا۔ اگر اس میں کوئی نقص ہے تو اُس کی کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ بلکہ پہلی بات تو یہی ہے کہ اگر کوئی نقص ہے تو اُسے ہم کریں گے کیوں۔ اور اگر نقص نہیں تو ہمیں دوسرے سے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر کوئی ہمیں یہ کہے گا کہ تم یہ کام کیوں نہیں کرتے؟ تو ہم کہہ دیں گے ہم یہ کام کیوں کریں اس میں فلاں نقص ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟ تو ہم کہیں گے کہ جب اِس کام میں نقص کوئی نہیں تو ہم اسے کریں گے۔ کسی سے ڈرنے کی بہرحال ہمیں ضرورت نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے پہلے پردہ اَور قسم کا ہوتا تھا اور آپ کی بعثت کے بعد پردہ اَور قسم کا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں سفر پر تشریف لے جارہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی ساتھ تھے۔ امرتسر یا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر آپ نے حضرت اماں جان کو ساتھ لیا اور ٹہلنا شروع کر دیا۔ آپ ٹہلتے ٹہلتے پلیٹ فارم

کے ایک سرے پر چلے جاتے اور پھر دوسرے سرے پر تشریف لے جاتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت بڑی جوشیلی تھی اور آپ پرانے رسم ورواج کے مطابق اسے بڑا عیب خیال کرتے تھے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو لے کر اس طرح ٹہلے۔ آپ بڑے حسّاس تھے۔ آپ کے ذہن میں فوراً یہ خیال آیا کہ اگر لوگ اعتراض کریں گے تو ہم کیا جواب دیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے تھے مولوی صاحب گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا آپ دیکھتے نہیں کیا ہو رہا ہے؟ لوگ اعتراض کریں گے تو ہم کیا جواب دیں گے؟ میں نے کہا مجھے تو کہنے کی جرأت نہیں۔ آپ اگر بُرا سمجھتے ہیں تو آپ خود جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے تھے کہ مولوی صاحب کو غصہ چڑھا ہوا تھا، فوراً چلے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بات کہہ دی کہ لوگ اگر اعتراض کریں گے تو ہم کیا جواب دیں گے؟ واپس آئے تو سر نیچے ڈالا ہؤا تھا جیسے کوئی آدمی سخت شرمندہ ہوتا ہے اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ میرے دل میں بھی کُرید تھی۔ میں نے کہا مولوی صاحب! کیا آپ نے حضرت مسیح موعود سے کہا نہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا: ہاں کہا تو ہے۔ میں نے کہا تو پھر حضرت مسیح موعود نے کیا فرمایا ہے؟ کہنے لگے میں نے جب یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا مولوی صاحب! آخر لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کو لے کر پھرتے تھے اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔

خلیفہ رجب دین صاحب جو خواجہ کمال الدین صاحب کے خسر تھے اور پرانے احمدی تھے اُن کی طبیعت میں بڑی تیزی تھی۔ وہ جب معترضین کو اُن کے اعتراضات کا جواب دیتے تو ایسے کاٹنے والے جواب دیتے کہ ان سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک دفعہ آپ ایک مقدمہ میں پیش ہوئے چونکہ آپ کے بعض رشتہ دار بڑے بڑے عُہدوں پر فائز تھے اس لئے لوگ آپ کا لحاظ کرتے تھے۔ کسی نے مجسٹریٹ سے کہہ دیا کہ یہ فلاں کے رشتہ دار ہیں۔ مجسٹریٹ کہنے لگا میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے بشرطیکہ آپ بُرا نہ منائیں۔ انہوں نے کہا میں پاگل تو نہیں کہ تم اچھی بات کہو گے تو میں بُرا مناؤں گا۔ اور میں بے غیرت بھی نہیں کہ تم بُری بات کہو اور میں بُرا نہ مناؤں۔ آخر تھوڑی سی ردّو کد[3] کے بعد اُس نے کہا میں نے سنا ہے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لے کر سیر کو چلے جاتے ہیں۔ اُس زمانہ میں ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ اگر میاں بیوی نے کہیں باہر جانا ہوتا تو خاوند بیوی کو پہلے کسی نوکر

کے ساتھ بھیج دیتا اور خود بعد میں آتا۔ خلیفہ صاحب کہنے لگے میں نے اسے کہا جی ہاں مرزا صاحب ایسا کرتے ہیں۔ وہ کہنے لگا پھر؟ میں نے کہا مرزا صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لے کر پھرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں یہ مرزا صاحب کی بیوی ہے لیکن جب آپ اپنی بیوی کو ٹھلیے کے ساتھ بھیج دیتے ہیں اور خود بعد میں جاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں یہ ٹھلیے کی بیوی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے اعتراض کرتے ہی ہیں۔ اگر واقع میں کوئی بات معیوب ہے تو ہمیں اعتراض کرنے والوں کی خاطر اُسے ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُس عیب کی خاطر اُسے ترک کرنا چاہیے ورنہ مذہب بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ایک اچھا کام ہم کرتے ہیں اگر وہ کام ہم اس لئے کرتے ہیں کہ دوسرے آدمی بھی وہی کام کرتے ہیں تو پھر خدا باقی نہ رہا۔ ہمیں وہ کام محض اچھا ہونے کی وجہ سے کرنا چاہیے اور ثواب کی خاطر کرنا چاہیے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو کام کا کام ہو جائے گا اور ثواب بھی مل جائے گا۔

غرض ہم اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کیا کرتی ہے۔ تو اکثریت نیک نہیں ہوا کرتی۔ یہ تو ایک آئیڈیل ہے جو انبیاء کی جماعتوں کے سامنے رکھا گیا ہے ورنہ وہ اس کو نیک بنا نہیں سکتے۔ حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آئے لیکن اکثریت خراب رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے لیکن اکثریت پھر بھی خراب رہی، حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے لیکن اکثریت پھر بھی خراب رہی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے لیکن اکثریت پھر بھی خراب رہی۔ اِدھر حضرت کرشن اور حضرت رام چندر علیہما السلام آئے لیکن اکثریت پھر بھی خراب رہی۔ پھر تمام انبیاء کے سرتاج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے لیکن اکثریت پھر بھی خراب رہی۔ اکثریت کبھی نیک نہیں ہوتی۔ صرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعتوں کے سامنے یہ مقصد رکھا ہے کہ تم کوشش کرو کہ اکثریت نیک بنالو۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ اکثریت نے یہ کام کرنا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر کوئی جماعت کوشش کر کے اکثریت کو نیک بنا لے گی تو وہ بے مثال ہوگی اور کوئی دوسری قوم اُس کے سامنے کھڑی نہیں ہوگی۔ ممکن ہے وہ نمازوں میں اس سے زیادہ ہو، ممکن ہے وہ روزوں میں اس سے زیادہ ہو اور وہ کہہ دیں کہ ہم نے تم سے زیادہ روزے رکھے ہیں یا تم سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔ لیکن یہ مقام کہ کسی قوم نے اکثریت کو نیک بنالیا ہو کسی قوم کو حاصل نہیں ہوا۔ لیکن یہ مقام ہر نبی کی جماعت کے سامنے رکھا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام

سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نبیوں کے سامنے یہ مقام رکھا گیا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے باقی تمام اَدوار کے سامنے بھی یہ مقام رکھا جائے گا لیکن اکثریت کا نیک ہونا مشکل امر ہے۔ ایسا تو ہوسکتا ہے کہ کسی نبی کے زمانہ میں ایک علاقہ یا ایک ملک کی اکثریت نیک ہوچکی ہو لیکن دنیا کی اکثریت کو کسی نبی کی جماعت بھی نیک نہیں بنا سکی۔ جس نبی کی جماعت نے بھی یہ مقام حاصل کرلیا کہ اُس نے اکثریت کو نیک بنالیا وہ نہایت شاندار اور بے مثال ہوگی۔

بہرحال یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ مومن ڈرنا نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم نے سچائی کو قبول کیا ہے اس لئے ہمیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بے شک جب وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سچائی کو قبول کیا ہے تو لوگ اُن کی ہر طرح مخالفت کرتے ہیں لیکن مومن ان باتوں سے گھبراتے نہیں بلکہ دلیری سے اپنی باتوں پر قائم رہتے ہیں۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایرانی بادشاہ نے بعض مسلمان افسروں کو ملاقات کے لئے بلایا۔ جب وہ وہاں گئے تو کسی نے بتایا کہ یہاں یہ دستور ہے کہ جُوتیاں اُتار کر چلتے ہیں اور ہتھیار باہر رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہاں یہ دستور ہے تو پھر اپنے ملک کے لوگوں کو یہاں بلاؤ ہم تو اِس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بعض لوگوں نے رئیس الوفد سے کہا بھی کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دیں لیکن وہ نہ مانے اور کہا ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اِسی طرح چلے جاتے تھے۔ بادشاہ مجبور تھا اُس نے بلالیا اور وہ اندر چلے گئے۔ فرش پر دارا کے وقت کے قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے وہ اُس پر نیزہ ہاتھ میں لئے مٹی اور کیچڑ سے بھری ہوئی جُوتیوں کے ساتھ چلے گئے اور وہاں بیٹھ گئے۔ بعض لوگوں نے انہیں ٹوکا بھی کہ بادشاہ کے سامنے تمہیں کھڑا ہونا چاہیے مگر انہوں نے کہا یہ ضروری نہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک حد تک دوسروں کا لحاظ ضروری ہوتا ہے مگر لحاظ اَور ہوتا ہے اور نقل اَور ہوتی ہے۔ لحاظ بطور احسان ہوتا ہے اور محسن اور نقّال میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کی طرف سے ایک جرنیل آیا۔ آپ نے فرمایا اُس کے دل پر قربانیوں کا بہت اثر ہوتا ہے چنانچہ آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی قربانیاں باہر نکال کر کھڑی کردیں۔ وہ جرنیل آیا۔ اُس نے جب یہ دیکھا کہ ہزاروں جانور وہاں کھڑے ہیں تو دریافت کیا کہ یہ کس لئے ہیں۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں اور یہ جانور قربانی کے لئے ساتھ لائے ہیں۔

اُس کی طبیعت پر اِس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ وہیں سے لَوٹ گیا۔ اور واپس جا کر اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ لوگ قربانیاں دینے یہاں آئے ہیں میں کس منہ سے اُنہیں کہوں کہ تم واپس چلے جاؤ۔ باوجود اِس کے کہ وہ قوم کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے ایک مسئلہ پیش کرنے آیا تھا قربانیاں دیکھ کر اُس کی طبیعت پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ایک قسم کا سفیر بن کر واپس چلا گیا۔

غرض بعض دفعہ دوسرے کے جذبات کا پاس کرنا بھی ضروری ہوتا ہے لیکن اس صورت میں دوسرا شخص بھی یہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ کام ڈر کے مارے نہیں کیا بلکہ میری دلجوئی کے لئے کیا ہے۔ لیکن اتباع اَور چیز ہے۔ اتباع کرنے والے کو دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سے خائف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جب ''اُکھلی میں سر دیا تو موہلوں سے کیا ڈر''۔ کوئی شخص اُکھلی میں سر رکھ دے اور پھر کہے کہ موہلا بھی نہ پڑے تو یہ ناممکن ہے۔ انبیاء کی جماعتوں میں داخل ہونے کے معنے دنیا کی مخالفت مول لینے کے ہیں۔ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ چھوٹی جماعت ماری جائے گی لیکن یہی تو بات ہے جو ہم دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہمیں خدا نے قائم کیا ہے اس لئے اگرچہ ہم تھوڑے ہیں لیکن ہم مریں گے نہیں۔ اگر ہم منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی قائم کردہ جماعت ہیں لیکن مخالف سے کہتے ہیں ذرا آہستہ مار تو پھر خدا کا معجزہ کیا ہوا۔ خدا تعالیٰ کا معجزہ تو اِسی صورت میں ہوگا کہ اگر مخالف مارتا ہے تو وہ اُسے کہے کہ اَور مار۔

حضرت نوح علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے کہا کہ تُو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اِس چیز میں کوئی مزہ نہیں کہ تم اکیلے اکیلے آؤ، تم اکٹھے ہو کر آؤ تو تب مزہ ہے۔ پھر کہا تم اکٹھے بھی ہو کر آؤ تو کوئی مزہ نہیں ہوسکتا ہے۔ تمہاری سکیمیں الگ الگ ہوں جس کی وجہ سے باوجود اکٹھے ہونے کے تمہاری طاقت متحد طور پر خرچ نہ ہو اس لئے تم اکٹھے ہو کر اور ایک سکیم تیار کر کے اس کے ماتحت حملہ کرو۔ پھر تم دیکھ لوگے کہ تم مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے کیونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور خدا تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

یہ مومنانہ طریق ہے۔ مومن یہ نہیں کہتا کہ تم میرے مقابلہ میں اکٹھے ہو کر کیوں آئے ہو یا تم نے ایک سکیم کیوں بنائی ہے میں تو اکیلا ہوں تم بھی ایک ایک کر کے آؤ۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ تم اکٹھے ہو کر اور ایک سکیم بنا کر آؤ لیکن تم مجھے پھر بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ایسا شخص دنیا میں ایک بھی ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا صداقت سے خالی نہیں رہ سکتی کیونکہ وہ ایک رہ نہیں سکتا۔ ایک وہ اسی صورت میں رہ سکتا ہے

جب وہ کسی سے ڈرتا ہو۔ جب وہ خدا تعالیٰ کا ہتھیار ہے تو پھر ڈرے کیوں۔ وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو اُسے پھینک دے اور چاہے تو اُسے رکھ لے۔ اُس کی مرضی اپنی مرضی نہیں۔

دنیا میں جب تم چُھری کانٹے یا چمچہ کے ساتھ کھانا کھاتے ہو تو یہ تمہارے اختیار میں ہوتا ہے کہ خواہ تم اس چُھری کانٹے یا چمچے کو پھینک دو یا اُسے ہاتھ میں رکھو۔ چُھری کانٹا یا چمچہ کی اگر زبان ہو تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تم نے منہ سے لگایا تھا پھر پرے کیوں پھینک دیا۔ اِسی طرح جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اُس کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ چاہے تو خدا تعالیٰ اُسے پھینک دے اور چاہے تو رکھ لے۔ خدا تعالیٰ اُسے پھینک دیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کے خدا کی خوشی اسی میں ہے۔ اور وہ اُس کے پکڑنے میں بھی خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس کے خدا کی خوشی اِسی میں ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے ہی بات کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو جو بھی اکثریت کے پیچھے رہے گا خدا تعالیٰ اُس کے ساتھ نہیں رہے گا۔ وہ اِدھر اُدھر پھرتا رہے گا اور انجام کار اُسے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ خدا تعالیٰ اُسے کہے گا تم نے اکثریت کو خدا بنا لیا تھا اس لئے جاؤ اب میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں۔" (الفضل مورخہ 17 مئی 1961ء)

1: الانعام: 117

2: الاخلاص: 4

3: ردّوکد: (ردّوقدح) حُجّت۔ بحث۔ تکرار